١٦

ولی اللّٰہی فکر

ایک تعارف

احسان الحق

چودھری عبدالرؤف

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

Scanned by CamScanner

جملہ حقوق بحق فاؤنڈیشن محفوظ ہیں

نام پمفلٹ ــــــــــ ولی اللہی فکر (ضرورت و اہمیت

مولف ــــــــ چوہدری عبدالرؤف

طبع اول ـــ ـــ ـــ دسمبر ۱۹۹۱ء

ناشر ـ ـ ـ ـ ـ ـ شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

قیمت ـ ـ ـ ـ ـ ـ تین روپے

ایچ۔ وائی پرنٹرز۔ لاہور

Scanned by CamScanner

حرف اول

دور حاضر میں دنیا جس اتھل پتھل سے دوچار ہے' وہ اس امر کی علامت ہے کہ فرسودہ افکار اور جبر کے نظام اب قصہ پارینہ بن چکے ہیں۔ بیسوی صدی کے ابتدائی عشروں میں دنیا جب ایک اہم تبدیلی سے دوچار ہوئی تھی اور مذہب کی بقاء کا نازک سوال سامنے آیا تھا تو اس وقت ولی اللہی جماعت نے دین کی حقیقی اہمیت اور معروضی اہمیت اجاگر کرکے دین کش ماحول میں اسکی اہمیت منوائی تھی۔ آج جب بیسوی صدی اپنے اختتام پر پہنچ رہی ہے تو پھر نظام شکست و ریخت سے گزر رہے ہیں۔ ان حالات میں بھی ولی اللہی فکر ہی نوید انقلاب ثابت ہو رہی ہے۔

زیر نظر مضمون میں ولی اللہی فکر کی اسی تازگی پر روشنی ڈالی گئی ہے' مضمون نگار پیشہ کے لحاظ سے زرعی علوم کے ماہر ہیں اور اسی ناطے ڈنمارک میں زرعی تربیت کا ایک سال بھی گزارا ہے' چنانچہ انہوں نے اپنے اس مضمون میں اس بیرونی قیام کے کچھ تجزیئے بھی پیش کئے ہیں جو امید ہے کہ دیندار افراد کے لئے حقیقت کشا ثابت

چیئرمین

ولی اللّٰہی فکر کا پس منظر

ملت ابراہیمی میں اسلامی فکر کے احیاء کی بنیاد حضرت ابراہیم نے رکھی جس کے عروج کا تسلسل بنی اسرائیل کے مختلف نبیوں کے زمانے میں جاری رہا۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کے بعد بنی اسرائیل میں مکمل فکری انتشار پیدا ہوگیا۔ تو اس کا احیاء بنی اسمٰعیل (یعنی قریش) کے ہاتھوں ہوا۔ نبی آخرزمان محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بنیاد رکھی۔ یہ خالص اسلامی فکر تھی۔ جس کے احیاء سے ابتدائی درجہ میں قریش کو پورے عرب پر غلبہ حاصل ہوا۔ اس بین الاقوامی اسلامی فکر کے عروج کا یہ دور خلافت راشدہ تک رہا۔ امیر معاویہ نے وقت کی رفتار کو سمجھا اور اسلامی عربی فکر کی بنیاد پر عربوں کے ذریعے اسلام کی فکر کو عجم کے دور دراز علاقوں تک غالب کردیا۔ بنو امیہ کے آخری دور میں اس سلسلہ کے جاری رہنے کے بعد وقت کے دھارے کا رخ مڑتا ہے۔ یوں اسلامی عربی فکر اور اسلامی عجمی فکر کی کشمکش شروع ہوجاتی ہے۔ بنو عباس حالات کو سمجھ کر ایرانیوں کو ساتھ ملاتے ہیں۔ اور عرب اور غیر عرب مسلمان مل کر حکومت بناتے ہیں۔ لیکن مرکزی طاقت پھر بھی عربوں کے پاس رہتی ہے۔ آہستہ آہستہ عربوں کا اسلامی اقتدار بھی کم ہوتا ہے۔ اور مامون الرشید کے بعد ایرانی اور ترکی قومیں اسلام کے دو بین الاقوامی مراکز کی مالک بن جاتی ہیں۔

کئی سو سال تک اسلامی دنیا کی یہ حالت رہی کہ ہر اسلامی ملک اپنی جگہ آزاد تھا۔ لیکن نام کی خلافت جو قاہرہ اور بغداد میں قائم تھی۔ اس سے عقیدت رکھتا تھا۔------ درحقیقت یہ اس تصور کی یادگار تھی کہ دین اسلام محض ایک قومی نہیں بلکہ بین الاقوامی دین ہے۔ ایک وقت ایسا بھی آگیا جب قسطنطنیہ میں عثمانی ترکوں 'ایران میں شیعہ حکومت' ہندوستان میں مغل سلطنت اور مراکش و الجزائر وغیرہ

Scanned by CamScanner

کی خالص قومی سلطنتیں بھی ایک ایک کرکے رخصت ہوگئیں۔

دراصل یہ اسلامی عجمی فکر کے زوال کا دور تھا۔ وقت کا دھارا مڑ چکا تھا۔ حکمران بادشاہ جمہور سے دور ہٹ چکے تھے۔ بدقسمتی سے مسلمان جمہور میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ اپنے نام نہاد بادشاہوں کو مسند اقتدار سے علیحدہ کرکے خود ملک کا انتظام سنبھال لیتے۔ اور قومی شاہی حکومتوں کی بجائے قومی جمہوری حکومت بناتے۔ یہ وہ وقت تھا جب اسلامی قومی جمہوری فکر کی شدید ضرورت تھی۔ حالانکہ یہ وہ وقت تھا جب بظاہر دنیا میں مسلمانوں کا طوطی بول رہا تھا۔ لیکن سماج تربیتی نظام کے مفقود ہونے کی وجہ سے برباد ہورہا تھا۔ اس دور میں پوری دنیا میں اسلامی فکر کی حکمت پر مبنی انسانیت عامہ اور انسانی خدمت کے حوالے سے ایک فکری تحریک جبرا عظم ہندوستان سے اٹھتی ہے۔ جس کو پیش کرنے والے امام الائمہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلوی تھے۔ آج دنیا میں ساری سیاسی جمہوری اور اقتصادی ترقی اسی فکر کے پیش کرنے کے تین سو سال کے عرصہ میں ہوئی۔ اس تاریخی جائزہ کا مقصد فکر کو حقائق کی بنیادوں پر استوار کرنے کیلئے پس منظر مہیا کرنا ہے۔ بارہ سو سال پر محیط غلبہ و عروج کا دور فکر کے تنوع کے باوجود اسلامی تہذیب و تمدن کے غلبے اور کثیر انسانی آبادی میں اس کے پھیلاؤ اور حالات کے پس منظر میں اپنی کمزوریوں کے باوجود اسلامی فکر کی قوت کو ظاہر کرتا ہے۔ مستشرقین کا یہ پراپیگنڈا کہ قومی حکومتوں کا تصور اسلام کے خلاف ہے اور اسلامی حکومت صرف بین الاقوامی حکومت ہی ہو سکتی ہے۔ یا یہ کہ غلبہ و عروج صرف حضرت عمر فاروقؓ کے دور تک رہا۔ اس کے بعد اسلام کا زوال شروع ہوگیا۔ قطعی طور پر غلط ہے۔ بلکہ یہ اسلام کی ہی رہین منت انسانی ترقی تھی جس کی وجہ سے ماضی قریب میں یورپ کی قومیں جہالت کے اندھیرے سے باہر آسکیں۔

شاہ ولی اللہ سے پہلے :۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے دور سے بہت پہلے ہندوستان ایک ایسے فکر کا تقاضہ کررہا تھا۔ جو ھندوؤں، ھندوستانی مسلمانوں اور مغلوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کیے رکھے۔ اکبر اعظم نے اس سیاسی اتحاد کے حل کیلئے مشہور صوفی

Scanned by CamScanner

بزرگ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے عقیدہ وحدت الوجود کو سیاسی اساس بنایا۔ دوسرے لفظوں میں ایک خاص مذہبی گروہ کی حکومت کی بجائے ریاست کو ملک میں تمام بسنے والوں کی نمائندہ اور ترجمان حکومت بنانے کا تصور۔ جس پر یورپ میں انقلاب فرانس کے بعد کچھ عمل ہوا۔ اور اسلامی ملکوں میں آج اس کو دستوری شکل دی جارہی ہے۔ سولھویں صدی کے وسط میں ہندوستان میں نافذ تھا۔ دوسری طرف یورپ والوں نے اپنے ہاں فرقہ پرستی اور مذہبی فسادات کا حل یہ نکالا کہ مذہب کو حکومت سے الگ کردیا۔ وجہ یہ ہوئی کہ ان کے مذہب میں انقلاب کی روح باقی نہیں تھی۔

اکبر اعظم کی سیاسی حکمت عملی مذہبی عجمی ہندوستانی تھی۔ جبکہ اس حکمت عملی کے مثبت اثرات کو قائم رکھتے ہوئے اس کے منفی اثرات کو روکنے کے لئے عالمگیر صرف مسلمانوں کی تنظیم سے اسلامی ہندوستان کی سلطنت کو وسعت دے کر خیبر پار اور حجاز تک پہنچانا چاہتا تھا۔ مخصوص حکمت عملی کی وجہ سے اکبر بادشاہ کو ہندوستانیت پر زیادہ زور دینا پڑا جبکہ اورنگ زیب عالمگیر نے اسلامیت کو مقدم جانا۔

شاہ ولی اللہ کی خدمات :۔ حضرت شاہ ولی اللہ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات سے ۴ سال قبل پیدا ہوئے اور جس سال سلطان محمد شاہ تخت نشین ہوا اسی سال ۱۷۱۹ء کو شاہ صاحب اپنے والد شاہ عبدالرحیم کی مسند تدریس پر جلوہ افروز ہوئے۔ شاہ صاحب کا مشن عام مسلمانوں کیلئے تھا۔ اس لئے عام لوگوں کی فارسی زبان میں سب سے پہلے قرآن پاک کا ترجمہ کیا۔ اس زمانہ میں مسئلہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کا بازار گرم تھا۔ شاہ صاحب نے ان دونوں نظریوں کی تطبیق بڑے احسن طریقے سے یوں مثال دے کر بیان کی کہ ہماری کائنات حقیقت کے سورج کیلئے ایک آئینہ کی مانند ہے۔ کبھی تو ہم آئینہ میں منعکس سورج کے عکس کو سورج کہتے ہیں۔ اور یہ وحدت الوجود کی عینیت کا تصور ہے۔ اور کبھی یوں کہتے ہیں کہ یہ آفتاب جسے ہم آئینہ میں دیکھ رہے ہیں۔ اصل آفتاب کا عکس ہے۔ جو بہت دور اور بعید الحصول ہے اور یہ وحدت الوجود کی ورائیت کا تصور ہے۔ جسے وحدت الشہود کا نام دیا گیا۔

Scanned by CamScanner

شاہ صاحب نے فرمایا کہ ہمیں ایک ایسے نظام کی ضرورت ہے۔ جو فکری اعتبار سے اتنا وسیع اور ہمہ گیر ہو کہ ساری انسانیت کو اپنے اندر لے لے۔ لیکن عملاً" اس سے ملت کے نظم اور ڈسپلن میں بھی فرق نہ آئے۔

جس حالت کی وجہ سے قیصر و کسریٰ تباہ ہوئے تھے وہی حالت کم وبیش اس وقت کے ہندوستان کی تھی۔ یکے بعد دیگرے دس حکمران شاہ صاحب کی زندگی میں بدلے۔ مرہٹے شیوا جی کی قیادت میں انگریزوں کی سازشوں سے شورش برپا کر رہے تھے۔ شاہ صاحب ان سارے حالات کو دیکھ رہے تھے۔ آپ نے عوام الناس' علماء اور حکمرانوں کو خواب غفلت سے جگانے کی بہت کوشش کی۔ جب آپ نے دیکھا کہ حکمرانوں میں اتنی طاقت نہیں تو آپ نے احمد شاہ ابدالی کو دعوت دی۔ جس نے مرہٹوں کی طاقت کو پاش پاش کردیا۔ لیکن حکومت کی مسلسل شکست و ریخت کی وجہ سے دہلی کے سلاطین نہ سنبھل سکے۔

شاہ صاحب نے مفصل تحقیق کے بعد مقامی سماج کی ترقی اور بین الاقوامی سماج میں اسلام کے غلبہ کیلئے اپنا انقلابی پروگرام مرتب کیا۔ ذیل میں آپ کے نظریات کے چیدہ چیدہ اصول بیان کئے جاتے ہیں۔

(الف) بنیادی اصول

ا۔ نظریہ حکمرانی

آپ نے مروجہ طریقہ حکمرانی یعنی خاندان' رنگ و نسل وغیرہ کے اعتبار سے بالا ہوکر صرف اہلیت کو معیار تجویز کیا یعنی اگر ایسا ایک فرد دستیاب نہ ہو یا سب اس پر متفق نہ ہوں تو چند ارباب فہم و دانش اہل اور تجربہ کار افراد مل کر یہ فریضہ انجام دیں۔ جن پر عوام کا بھروسہ ہو۔ گویا آپ نے شخصی حکومت کی جگہ اجتماعی حکومت کا نظریہ پیش کیا جبکہ دنیا آج "سوشل ڈیموکریسی" کے نظریہ کو زیر بحث لارہی ہے۔

Scanned by CamScanner

۲۔ اقتصادی اصول

ا دولت کی اصل بنیاد محنت ہے۔ مزدور اور کاشت کار قوت کا سرچشمہ ہیں۔ جب تک کوئی ملک اور قوم کیلئے کام نہ کرے ملک کی دولت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔

۲۔ جو سماج محنت کی صحیح قیمت ادا نہ کرے مزدوروں اور کاشت کاروں پر بھاری ٹیکس لگائے۔ قوم کا دشمن ہے۔ اس کو ختم کیا جانا چاہیے۔

۳۔ پیداوار اور آمدنی تعاون باہمی کے اصول پر ہو۔ اور کام کے اوقات محدود کئے جائیں۔ (واضح رہے کہ اس سے قبل اوقات کار کا تعین نہیں ہوتا تھا)۔

۴۔ وہ کاروبار جو دولت کی گردش کو کسی خاص طبقے میں مرکوز کردے۔ ملک کیلئے تباہ کن ہے (اس سے قبل دولت صرف مخصوص افراد کے قبضے میں تھی۔ لیکن شاہ صاحب نے فرمایا اس میں سب کا حصہ ہے۔)

۳۔ سیاسیات

بادشاہ زمین کا مالک نہیں بلکہ معاشرہ اور ریاست ہے۔ باقی سب اس سے فائدہ اٹھانے آئے ہیں۔ کوئی کسی کا مالک نہیں ہے سب برابر ہیں۔ اقتدار کا حق صرف وارث اعلیٰ کو ہے۔

۴۔ بنیادی حقوق

بنیادی ضروریات مثلاً" روٹی کپڑا مکان، صحت تعلیم وغیرہ بلا تفریق مذہب رنگ و نسل ہر ایک کا بنیادی حق ہے۔ عدل و انصاف عزت ناموس' حق شہریت میں یکسانیت ہر باشندہ ملک کا بنیادی حق ہے۔

۵۔ قومی حقوق

زبان اور تہذیب کو زندہ رکھنا ہر ایک فرقہ کا بنیادی حق ہے۔

Scanned by CamScanner

(ب) قومی جمہوری نظام

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان حقوق اور اصولوں کی عملی ضمانت اور حکومتی شکل کیسے وجود میں آئے۔ اس بارے میں شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ان حقوق کو حاصل کرنے کی شکل یہ ہے کہ خود مختار علاقے بنائے جائیں۔ یہ خود مختار اکائیاں اپنے معاملات میں آزاد ہوں یہ اکائیاں ایک ایسے نظام میں مربوط ہوں جو طاقت کے لحاظ سے اقتدار اعلیٰ کا مالک ہو۔ کسی کو یہ حق نہیں کہ کسی مخصوص مذہب یا مخصوص تہذیب کو کسی یونٹ پر مسلط کرسکے۔ اور نہ ہی دخل اندازی ہو۔ مزید فرماتے ہیں

سچائی اور دین کے بنیادی اصول تمام فرقوں میں تقریباً" تسلیم شدہ ہیں۔ اور آج انہی اصولوں کی بنیاد پر قومی جمہوریتوں کا تصور اپنی ترقی یافتہ شکل میں موجود ہے۔ اسی اساس پر امام انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھی صاحب نے قومی جمہوریتوں کا تصور پیش کر کے ایشیا ٹک فیڈریشن کا نقشہ دیا ہے۔ تقسیم ہند کے مسئلہ پر حضرت امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی متحدہ ہندوستان میں اکائیوں کے باہمی تعاون کا فارمولہ پیش کیا۔ اور آج ہم پھر وسط ایشیا ———— سے تعاون کی بات اسی اساس پر کرتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب نے ایک بات پر خاص طور پر زور دیا کہ وہ تباہی اور بدحالی جو مذہبی نقطہ نظر سے سوسائٹی میں پائی جاتی ہے۔ اس کا بڑا سبب اقتصادی بحران ہے۔ جس میں اس وقت برصغیر اور بالعموم ساری ایشیائی اور افریقی قومیں مبتلا ہیں۔ آج مسلمانان اہل فکر کو اپنے حکیم کی اس بات پر غور کرنا چاہیے۔ تاکہ معلوم ہوسکے کہ ہماری توانائیاں حکمت سے خالی ہو کر کہاں ضائع ہو رہی ہیں۔

ولی اللہی فکر کی تاریخی اہمیت

یہ نظریات یا پروگرام جو آج ہمیں عام لگتا ہے۔ اس دور میں جب بادشاہوں کا زمانہ تھا اور ذرا سی گستاخی پر گردن اڑا دی جاتی تھی۔ کتنا مشکل ہوگا یہ وہ زمانہ ہے

Scanned by CamScanner

جب فرانس کا جمہوری انقلاب نہیں آیا تھا جدید اقتصادیات کا بانی کارل مارکس پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ یعنی انقلاب فرانس ۱۷۸۹ء سے پچاس سال قبل اور روسی اشتراکی انقلاب کے ڈیڑھ سو سال پہلے یہ عظیم فلاسفر اپنے اس پروگرام کو دنیا میں متعارف کرا رہا ہے۔

مغربی جمہوریت کی حقیقت

آج ہمیں عمومی پراپیگنڈے اور مغربی ذرائع ابلاغ نے اسلام کے تسلسل سے کاٹ دیا ہے۔ جس کی وجہ سے ہم اسلام کی اصل حکمت کو سمجھنے سے بھی عاری ہو گئے ہیں۔ سیاست میں جمہوریت اور انسانیت عامہ کے مفہوم کو ہی بگاڑ دیا گیا ہے۔ یعنی پہلے معاشی طبقات پیدا کر دیئے جاتے ہیں پھر سرمایہ دار کی سرمایہ دار ... کشتی کروائی جاتی ہے۔ اور عوام کو حق نمائندگی کے نام پر بے وقوف بنایا جاتا ہے۔

راقم کو کچھ عرصہ پیشتر یورپ جانے کا موقع ملا۔ وہاں ڈنمارک کی پارلیمنٹ کا ایک ممبر ORIENTATION پروگرام میں ڈینش جمہوریت (DEMOCRACY DANISH) پر لیکچر میں اپنی جمہوریت کو فرد کی فطری آزادی قرار دے کر تیسری دنیا کے زیر تعلیم محققین (TRANEE SCHOLARS) کو مرعوب کر رہا تھا۔ بندہ نے آخر میں دو سوال کیئے کہ بادشاہت کے ہوتے ہوئے جمہوریت کیسی؟ تو اس کا جواب تھا کہ ملکہ (QUEEN) کی حیثیت تو صرف سربراہ مملکت (HEAD OF STATE) کی ہے عرض کیا کہ ملکہ کو یہ قانونی حق حاصل ہے کہ اگر کوئی جماعت ان کے نظام کے خلاف اختیار (MENDATE) لے کر بھی آجائے تو ملکہ (QUEEN) کی مرضی کے بغیر حکومت نہیں بن سکتی اس کے علاوہ راقم نے عرض کیا کہ آپ کے ہاں الیکشن میں کتنا خرچہ آتا ہے تو اس نے کہا کہ اس کا جمہوریت کی اصل یا ناقص ہونے سے کیا تعلق یہ تو جماعتی مسئلہ ہے۔ عرض کیا کہ پھر بھی تو جواب ملا کہ کم از کم دس لاکھ کرون یعنی جیسے پاکستان میں بمشکل ۵ فیصد بھی ایسے افراد نہیں ہیں۔ جو ۱۰ لاکھ سے ۵۰ لاکھ تک الیکشن میں خرچ کر سکیں اور اسطرح ڈنمارک میں بھی ہے تو میں نے کہا کہ

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اصل صحت مند مقابلہ تو عوام کا آپس میں نہ ہوا۔ صرف ۲ فیصد طبقہ پوری قوم کو سرمایہ اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے گمراہ کر کے نام نہاد(CALLED SO) نمائندہ پارلیمنٹ بنتا ہے اور پھر پارلیمنٹ کاشتکاروں کے نہ چاہتے ہوئے بھی یورپی معاشی برادری (EEC) میں مستقل رہنے کا فیصلہ کرلیتی ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم اسلام کی حکمت سے خالی ہوجائیں تو عقل ماری جاتی ہے اور مفاد پرستی آجاتی ہے۔ جس سے انسانیت عامہ کا نظریہ سمجھ میں نہیں آتا۔ للذا یہ ضروری ہے کہ ہم مندرجہ بالا نظریات کو خود سمجھیں اور دوسروں کو سمجھائیں۔ اور یہی خود قرآن پڑھو اور دوسروں کو پڑھاؤ کا مفہوم ہے اور پھر اس کی عملی شکل کے لئے کوشاں ہو جائیں۔

آج ہمارا مذہبی طبقہ اور سیاسی طبقہ کہتا ہے کہ مغرب میں مذہبی آزادی بہت ہے۔ اور اسی کو بنیاد بنا کر امریکی مفاد کے تحفظ کے معاہدوں کا دفاع کیا جاتا ہے حقیقت یہ ہے کہ پورے سکنڈے نیوین ممالک (SCANDENAVIAN COUNTRIES) میں ایک بھی مسلمانوں کی عبادت گاہ مسجد کی شکل میں نہیں ہے۔ حالانکہ ان پانچ ممالک میں ایک محتاط اندازے کے مطابق ایک لاکھ مسلمان آباد ہیں۔ ڈنمارک کے دارلحکومت (COPENHAGEN) کوپن ہیگن جس کی آبادی پانچ لاکھ کی ہے ۔ اس میں تیس ہزار مسلمان رہتے ہیں۔ صرف ایک مسجد کے نام کی عبادت گاہ ہے اور وہ بھی مرزائیوں کی جس کا افتتاح وھاں کے حکومتی اعلی عہدیدار سے کروایا گیا تھا۔ باقی سب (ISLAMIC CULTURE CENTER) ہیں۔ اس سے جو کلچر ابھرے گا وہ سرمایہ داری نظام (CAPITALISM) کی بے حیائی سے متاثر ہوئے بغیر کیسے رہ سکے گا۔ اس کے علاوہ وہ نظام آزادی کے ثبوت میں چند بے روح مذہبی شکلوں کو تو قبول کرے گا۔ تاکہ وہ نظام کے اندر رہ کر اس کا تحفظ کرسکیں یہ ہے آزادی اسکی مثال ایسی ہے جیسے پہلے پرندے کو قید کرلیا جائے پھر خوب خوراک کھلا کر فربہ کر لیا جائے تو باہر بھوک سے مرنے والا تو اس غلامی کو آزادی کہے گا۔

Scanned by CamScanner

شاہ صاحب کی جماعت

شاہ صاحب کے نظریات صرف THEORYہی نہیں ہیں۔ بلکہ خود شاہ صاحب نے اس انقلابی پروگرام کو عملی شکل دینے کیلئے ایک انقلابی جماعت کی بنیاد رکھی۔ اس جماعت نے مسلمانوں کی حکومت ہوتے ہوئے فک کل نظام کا پروگرام دیا۔ اس جماعت کی ترتیب کچھ یوں ہے۔ کہ امام ولی اللہ کے بعد ان کے بیٹے شاہ عبدالعزیز اور بعد میں امام شاہ محمد اسحاق ۱۸۴۱ء تک دہلی میں کام کرتے رہے۔ ۱۸۴۶ء میں آپ مکہ معظمہ چلے گئے اور دہلی کے انچارج حضرت مولانا مملوک علی صاحب مقرر ہوئے۔ ان کے بعد حاجی امداد اللہ صاحب نائب ہوئے۔ لیکن ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد آپ دیگر زعمائے ولی اللہی تحریک کی طرح باغی قرار پائے۔ اس جنگ میں سب سے زیادہ ظلم علماء کی جماعت پر ہوا۔ کیونکہ اس وقت معاشرے کی تربیت کا نظام انہی کی ہاتھ میں تھا۔ انگریز ان کے سوتے ہی ختم کرنا چاہتا تھا۔ لیکن دین اسلام ابدی ہے۔ اس کا فکر ختم نہیں ہوسکتا جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد ولی اللہی تحریک کے ارباب حل و عقد حجاز میں جمع ہوئے اور فیصلہ کیا کہ ہندوستان میں نئے حالات کے پیش نظر ایک مدرسہ قائم کیا جائے۔ جو تحریک کا مقامی مرکز بن سکے۔ چنانچہ حاجی صاحب کے اس خیال کو ۹ برس بعد ۱۸۶۶ء میں دہلی کے قریب ایک مدرسہ کی شکل میں عملی جامع پہنایا گیا۔ مدرسہ کا نصاب تعلیم، نظام عمل اور اساسی قواعد حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے مرتب کئے اور اس طرح انہوں نے شاہ عبدالعزیز کے مدرسہ اور ولی اللہی تحریک کے مقاصد کو آئندہ تقاضوں کے مطابق مشرقی نظام میں محفوظ کرلیا۔

امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی فرماتے ہیں کہ جس ولی اللہی جماعت کا تعارف ہم کرانا چاہتے ہیں۔ وہ اس دہلوی جماعت کا دوسرا نام ہے۔ جو مولانا شاہ محمد اسحاق کے بعد حضرت مولانا مملوک علی صاحب کی زیر نگرانی دہلی کالج میں تھی جنگ

Scanned by CamScanner

...دن کے بعد اس جماعت کی مرکزی قوت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ اور دہلی کالج کا ...نش والا حصہ مولانا سر سید احمد خان علی گڑھ لے گئے۔ اور عربی حصہ مولانا قاسم کی راہنمائی میں مکمل آزادی کی جدوجہد میں مصروف عمل ہوگیا۔

دونوں حضرات مولانا مملوک علی کے شاگرد تھے۔ کالج پارٹی جو انگریزی حکومت کے اشتراک کے بغیر کام ہی شروع نہیں کرسکتی تھی نے برٹش گورنمنٹ سے وفاداری کو سیاسی مصلحت کا جزو بنالیا۔ دوسری طرف ولی اللہی تحریک کے زعماء خاموشی سے مشرقی طرز پر ذہن سازی کرتے رہے۔ ۱۹۰۵ء کے بعد پہلی دفعہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن نے علماء کو ایک اجتماعی طاقت کی حیثیت سے منظم کیا۔ اور علی گڑھ کے تعلیم یافتہ نوجوانوں پر بھی محنت کی (حضرت شیخ کی یہ پالیسی آج تک ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔

اس محنت کے نتیجہ میں مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی مولانا حسرت موہانی ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور حکیم محمد اجمل خاں جیسے لوگ پیدا ہوئے شیخ الہند کی یہ کوششیں جاری تھیں کہ ۱۹۱۱ء کی جنگ عظیم اول شروع ہوگئی۔ حضرت شیخ کی جماعت نے پرانی حکمت عملی اور مسلمانوں کے طبعی رجحانات کے پیش نظر دولت عثمانیہ کا ساتھ دیا۔ دولت عثمانیہ کی شکست کے بعد ولی اللہی تحریک کا یہ رجحان کہ عالم اسلام کی مدد کرکے یا ان کی مدد لے کر ھندوستان میں مسلمانوں کے قومی وجود کو تقویت دی جائے۔ ناقابل عمل ہوگیا پھر اس وقت کوئی بین الاقوامی اسلامی مرکز بھی نہیں رہا۔ انقلاب کی محنت آزادی کی تحریک سے مربوط ہوگئی۔ چنانچہ حضرت شیخ نے آزادی کی خاطر غیر مسلم جماعتوں کا تعاون حاصل کرنے کیلئے اپنی جماعت کو دوسری تمام آزادی کی جدوجہد کرنے والی جماعتوں سے شرکت عمل کی اجازت دے دی۔ یہ ۱۹۲۰ء کا واقعہ ہے۔

پاکستان میں ولی اللہی فکر کا احیاء

افسوس کہ ۱۹۴۷ء میں جغرافیائی آزادی کے ساتھ انقلاب کی نعمت حاصل نہیں ہوسکی۔ لیکن مولانا سندھی نے شاہ ولی اللہ کی تحریک کا بنیادی فکر شیخ الہند کی حکمت کے مطابق اگلی نسل تک منتقل TRANSFER کردیا۔ اسی فکر کا احیاء پاکستان میں

Scanned by CamScanner

پہلی بار ۱۹۶۷ء کے سال سرگودھا میں کیا گیا اور پہلی بار شیخ الہند کے مشن پر مدارس عربیہ اور یونیورسٹی کالجوں کے طلباء کے لئے ایک پلیٹ فارم مہیا کیا گیا۔ تاکہ قدیم اور جدید کے امتزاج سے خود شاہ ولی اللہ کی فکر پر نئے نظام کی تشکیل کی جاسکے اور آج یہ ولی اللہی تحریک اپنے اصل نام اور مقاصد کے حوالہ سے مصروف عمل ہے۔

Scanned by CamScanner